27

رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی عظیم الشان برکات اور نوجوانوں کی ایک غلط فہمی کا ازالہ

(فرمودہ 25 اکتوبر 1940ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"آجکل رمضان کا آخری عشرہ شروع ہے اور جیسا کہ احباب واقف اور آگاہ ہیں یہ دن خصوصیت کے ساتھ دعاؤں کے ہیں اور ان ایام میں اللہ تعالیٰ مومنوں کی دعائیں زیادہ سنتا اور ان کی گریہ وزاری کو قبول فرماتا ہے۔ پس ان ایام سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا اپنی ہی خوش بختی کی دلیل اور علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تو اس سے کوئی غرض نہیں کہ اس کا بندہ اس سے کچھ مانگتا ہے یا نہیں۔ اس نے تو دینا ہے اور دینے والے کو کیا حاجت ہؤا کرتی ہے۔ جس نے لینا ہے حاجت تو اسے ہوتی ہے مگر باوجود اس کے وہ دینے والا تو پکارتا ہے اور جس نے لینا ہے وہ سُستی دکھاتا ہے۔ ہم کتنا ہنستے ہیں اس واقعہ کو سن کر جو ایک مثل کے طور پر ہمارے ملک میں مشہور ہے کہ کوئی سرد ملک کا باشندہ گرمی کے موسم میں سخت تیز اور تپتی ہوئی دھوپ میں بیٹھا تھا، پسینہ ٹپک رہا تھا، مُنہ سرخ ہو رہا تھا، آنکھیں لال ہو رہی تھیں، سانس پھولا ہؤا تھا اور پاس ہی اس کے ایک دیوار یا درخت کا سایہ تھا جہاں بیٹھ کر اس کی ساری تکلیفیں رفع ہو سکتی تھیں۔ کوئی شریف آدمی جو وہاں سے گزرا اور اس نے اس کی اس حالت کو دیکھا تو اس نے کہا

میاں! اس دھوپ میں کیوں بیٹھے ہو؟ کیوں نہیں اٹھ کر اس سائے کے نیچے بیٹھ جاتے جہاں سے تم کو آرام اور آسائش حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ سن کر اس شخص نے اپنے ہاتھ بڑھا دیئے اور کہا کہ میں بیٹھ تو جاتا ہوں پر تم مجھے کیا دو گے؟ ہم کتنا اس بات کو مضحکہ خیز سمجھتے ہیں مگر کس طرح ہم میں سے کئی یہی بات روزمرہ اپنے معاملات میں عملاً کر کے دکھاتے ہیں اور اس پر انہیں ذرا بھی تعجب نہیں آتا۔

رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رات کے آخری حصہ میں آسمان سے اترتا ہے اور اس کے فرشتے لوگوں کو آوازیں دیتے پھرتے ہیں کہ مانگو تمہیں دیا جائے گا، دروازہ کھٹکھٹاؤ تو تمہارے لئے کھولا جائے گا [1] مگر کتنے ہیں جو اس آواز کو سن کر دوڑ پڑتے ہیں کہ یہ مانگنے کا وقت ہے ہم مانگیں گے، یہ کھٹکھٹانے کا وقت ہے ہم کھٹکھٹائیں گے۔ کیا وہ اس سے زیادہ احمق نہیں جو دھوپ میں بیٹھا ہؤا اس امید میں تھا کہ کوئی مجھے پیسے دے تو میں سائے میں بیٹھ جاؤں۔ اسی طرح تم میں سے بہت ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ہم نے اگر نماز پڑھی یا روزہ رکھا تو یہ ہم خدا پر احسان کرتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کا خالق اور مالک ہے اور وہ اپنی محبت کے لئے ہم کو بلاتا اور احسان کرنے کے لئے ہمیں پکارتا ہے۔ پس بجائے اس کے کہ وہ اس کے احسان کی قدر کریں اور اس کے اس انعام کی شکر گزاری کریں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے نماز پڑھ کر یا روزہ رکھ کر خدا پر احسان کر دیا۔

میں نے ایک شخص کو دیکھا جس نے نماز چھوڑی ہوئی تھی اور جب میں نے اس بارہ میں بعض دوستوں سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ ان کا خیال ہے میں بڑی تہجد گزاری کر چکا ہوں اور نمازیں بھی خوب پڑھ چکا ہوں اب مجھے ضرورت نہیں کہ میں نمازیں پڑھوں یا روزے رکھوں۔ گویا ایک قرضہ تھا جو اس نے ادا کر دیا اور جب دو سو یا تین سو یا چار سو یا پانچ سو نمازیں اس نے پڑھ لیں تو وہ قرض اتر گیا۔ اب کیا ضرورت رہی کہ وہ نمازیں پڑھے۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ شخص قریباً بلاناغہ سینما جاتا اور سمجھتا تھا کہ اس کے بغیر گزارہ نہیں ہو سکتا۔ گویا جو اپنے نفس کا عیش تھا اس کے لئے تو اسے وقت مل جاتا تھا اور اس کے لئے جانا وہ کسی دوسرے پر احسان نہیں سمجھتا تھا مگر جو خدا کے حضور حاضر ہونے اور نماز پڑھنے کا معاملہ تھا

اس میں وہ سمجھتا تھا کہ اس کے ذمہ ایک قرض تھا جو اس نے ادا کر دیا ہے۔

تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے کہ وہ اپنے بندوں کے لئے رحمت اور برکت کے دروازے کھولتا ہے یہ رحمت اور برکت کے دروازے جن دنوں میں کھلتے ہیں ان سے فائدہ اٹھانا ایک عقلمند انسان کی علامت ہے اس میں ہرگز کسی ایمان کا دخل نہیں، کسی خاص صلاحیت کا دخل نہیں۔ اگر کسی شخص میں معمولی سے معمولی عقل بھی ہو تو وہ اس موقع کو غنیمت سمجھے گا اور کوئی پاگل ہی ہو گا جو ایسے موقع کو ضائع کر دے۔

مجھے روزوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ میرے کسی سابق خطبے کی وجہ سے جو کئی سال ہوئے میں نے پڑھا تھا بعض نوجوان ہٹے کٹے اور مشٹنڈے اس بناء پر روزے نہیں رکھتے کہ روزہ رکھنے کے لئے میں نے 18 سال عمر کی شرط لگائی ہے اور چونکہ وہ ابھی اس عمر کو نہیں پہنچے اس لئے وہ روزہ بھی نہیں رکھ سکتے۔ یہ کہ میں نے روزہ رکھنے کے لئے 18 سال عمر کی شرط لگائی ہوئی ہے یہ درست نہیں۔ میں نے وہ خطبہ تو نہیں دیکھا مگر اس کا مضمون مجھے اچھی طرح یاد ہے جو کچھ میں نے اس خطبہ میں کہا تھا وہ یہ تھا کہ 18 سال کی عمر تک نشوونما کا زمانہ ہوتا ہے اور اس وقت کا قانون 18 سال کے بعد کے قانون سے مختلف ہے۔ اس نشوونما کے زمانہ میں اگر کوئی شخص روزہ نہیں رکھتا بوجہ اس کے کہ اس کی صحت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے یا اس کو اپنے اندر کوئی ایسی کمزوری محسوس ہوتی ہے جس کے ہوتے ہوئے وہ خیال کرتا ہے کہ روزہ رکھنا میری صحت کو اور زیادہ نقصان پہنچا دے گا تو میرے نزدیک اس نشوونما کے زمانہ میں اگر وہ دیانتداری کے ساتھ اس یقین پر قائم ہے کہ روزہ رکھنا اس کی صحت کو نقصان پہنچاتا ہے یا اسے غیر معمولی طور پر کمزور کر دیتا ہے تو روزہ نہ رکھنا اس کے لئے جائز ہے مگر اس بات میں اور اس بات میں کہ 18 سال کی عمر تک روزہ رکھنا معاف ہے زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ میرا منشاء صرف یہ تھا کہ 18 سال سے پہلے اور بعد کی عمر میں بلحاظ قانون فرق ہے۔ 18 سال کی عمر کے بعد کسی کی طرف سے کمزوری کا عذر ہونا ہرگز کوئی عذر نہیں سمجھا جا سکتا۔ سوائے اس کمزوری کے جو بیماری کے مترادف ہو اور جس کے متعلق ڈاکٹر یہ کہے کہ یہ شخص ایسا کمزور ہے کہ اگر اس نے روزے رکھے تو اسے سِل یا دِق یا کوئی اور مرض ہو جائے گا۔ گویا 18 سال کے بعد

کوئی شخص محض اس عذر کی بناء پر روزہ نہیں چھوڑ سکتا کہ روزہ رکھنے سے اسے ضُعف ہوتا ہے کیونکہ رمضان اس لئے نہیں آتا کہ جس طرح گھوڑے کو خوید دی جاتی ہے اور وہ موٹا ہو جاتا ہے اسی طرح انسان موٹا تازہ ہو جائے بلکہ روزے رکھنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ انسان دُبلا ہو اور اسے مشقت برداشت کرنے کی عادت پڑے مگر 18 سال سے پہلے کی عمر میں جب روزے رکھنے سے ایسی کمزوری ہو جانے کا احتمال ہو جو نشوونما میں روک بن جائے یا ایسی کمزوری پیدا ہونے کا خطرہ ہو خواہ سِل یا دق وغیرہ کا خطرہ نہ ہو تو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ البتہ 18 سال کے بعد اگر کوئی رمضان کے تیس روزوں میں سے ایک روزہ بھی بیماری یا سفر کے سوا نہیں رکھتا تو وہ گنہگار بنتا ہے۔ جیسے تم روز کی پانچ نمازوں میں سے ایک نماز بھی چھوڑ نہیں سکتے۔ تم ہفتہ کی پینتیس نمازوں میں سے ایک نماز بھی نہیں چھوڑ سکتے، تم سال کی 1825 نمازوں میں سے ایک نماز بھی نہیں چھوڑ سکتے۔ اسی طرح تم رمضان کے تیس روزوں میں سے ایک روزہ بھی نہیں چھوڑ سکتے۔ بغیر اس کے کہ تم بیمار ہو، بغیر اس کے کہ تم سفر پر ہو، بغیر اس کے کہ تم میں اس قسم کی کمزوری ہو جو بیماری کے قریب قریب ہوتی ہے جیسے شدید بڑھاپا ہے یا دودھ پلانے والی اور حاملہ عورت کا روزہ نہ رکھنا ہے۔ وہاں کوئی بیماری تو نہیں ہوتی مگر چونکہ ان ایام کی کمزوری ماں یا بچہ میں بیماری پیدا کرتی ہے اس لئے انہیں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ تو روزہ رکھنے میں صرف وہی کمزوری روک بنتی ہے جو بیماری پیدا کرنے والی ہو مثلاً ایک شخص دُبلا پتلا ہے اس کا سینہ کمزور ہے اور ڈاکٹر کہتا ہے کہ اگر اس نے روزے رکھے تو اسے سِل ہو جائے گی ایسے انسان کے لئے روزے رکھنے جائز نہیں کیونکہ گو سرِ دست اسے صرف کمزوری کی شکایت ہے مگر ڈاکٹر کی رائے میں اگر وہ کمزور ہؤا تو اسے سِل کی مرض لگ جائے گی۔

غرض جب انسان کی 18 سال کی عمر ہو جائے اور 18 سال کی بھی شرط نہیں جب انسان بلوغ کو پہنچ جائے خواہ کسی عمر میں پہنچے تو اس کے بعد اگر کوئی شخص محض اس وجہ سے روزہ نہیں رکھتا کہ روزہ رکھنے سے اسے کمزوری ہو جاتی ہے تو وہ خدا تعالیٰ کے حضور گنہگار ہوگا سوائے اس کے کہ ڈاکٹر نے اسے یہ کہا ہو کہ اگر تم روزہ رکھو گے تو بیمار ہو جاؤ گے یا بیماری سے اٹھا ہؤا مریض ہو اور مرض کے دوبارہ ہو جانے کا ابھی خطرہ موجود ہو مثلاً ایک شخص کو بخار ہے

تو اب جس روز اس کا بخار اترے گا اسی روز اس کے لئے روزہ رکھنا فرض نہیں ہو جائے گا بلکہ جب بخار سے پیدا شدہ کمزوری دور ہو جائے گی تو اس وقت اس کے لئے روزہ رکھنا ضروری ہو گا لیکن جو بلوغت سے پہلے کا زمانہ ہوتا ہے اور جسے نیم بلوغت کا زمانہ کہا جا سکتا ہے اس میں انسان کبھی کبھی روزہ چھوڑ بھی سکتا ہے تا اس کی طاقتیں اس قدر نشوونما حاصل کر لیں کہ بعد کی زندگی میں اسے کوئی تکلیف محسوس نہ ہو۔ اسی لئے میں نے اس خطبہ میں کہا تھا کہ بچوں کو گیارہ بارہ اور تیرہ سال کی عمر سے کچھ نہ کچھ روزے رکھوانے شروع کر دینے چاہئیں کیونکہ اگر کوئی شخص 18 سال تک ایک روزہ بھی نہیں رکھے گا تو اس سے یہ امید نہیں کی جا سکے گی کہ وہ انیسویں سال رمضان کے سارے روزے رکھ لے۔ بھلا جس شخص نے اٹھارہ سال تک کوئی روزہ نہیں رکھا اس کے اندر انیسویں سال ایسی طاقت کہاں سے آ جائے گی کہ وہ سارے روزے رکھنے شروع کر دے گا۔ اس کی صورت یہی ہے کہ اٹھارہ سال کی عمر میں وہ بیس بائیس یا پچیس، چھبیس روزے رکھے اور انیسویں سال سارے روزے رکھ لے۔ ہاں اگر کوئی بہت زیادہ کمزور ہو جیسے خلقی طور پر بعض بچے اچھے قویٰ لے کر نہیں آتے وہ اگر انیس سال سے پہلے پندرہ سولہ یا سترہ اٹھارہ روزے بھی رکھ لیتے ہیں اور باقی چھوڑ دیتے ہیں تو یہ ان کے لئے جائز ہو گا لیکن عام طور پر ایسے کمزور بچے نہیں ہوتے۔ خلقی طور پر کمزور اور بیمار بچے بہت کم ہوتے ہیں اور بالعموم پندرہ سولہ سال کے بعد بچوں میں اچھی خاصی طاقت آ جاتی ہے۔ تاہم اس عمر میں سب بچوں سے یہ امید رکھنا کہ وہ لازمی طور پر تمام روزے رکھیں اور کسی ایک روزہ کو بھی ترک نہ کریں درست نہیں اور اسی بات سے میں نے دوستوں کو منع کیا تھا کیونکہ اس طرح اعضاء اور قوتوں کا نشوونما رک جائے گا۔ اور جب کسی کی طاقتیں کمزور ہو جائیں گی تو آئندہ عمر میں اسے سارے روزے چھوڑنے پڑیں گے۔ لیکن یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں۔ دنیا میں ایسے بچے بھی ہوتے ہیں جو گو چھوٹی عمر کے ہوتے ہیں مگر ان کی طاقتیں اتنی اچھی ہوتی ہیں کہ وہ آسانی کے ساتھ تمام روزے رکھ سکتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ پندرہ سال کے تھے جب انہوں نے رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے عرض کیا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں سارا سال روزے رکھتا چلا جاؤں۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا سارا سال روزے رکھنے جائز نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا اچھا تو پھر میں مہینہ میں سے دس دن چھوڑ دوں گا۔ آپؐ نے فرمایا یہ بھی جائز نہیں۔ آخر ان کے بڑے اصرار اور بار بار کہنے کے بعد رسول کریم ﷺ نے انہیں صرف اتنی اجازت دی کہ ایک دن روزہ رکھ لیا کرو اور دوسرے دن نہ رکھا کرو۔ جب وہ بوڑھے ہو گئے تو وہ کہا کرتے تھے کہ کاش میں رسول کریم ﷺ کے حضور ایسی گستاخی کا ارتکاب نہ کرتا کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مجھے اپنے عہد کو نباہتے ہوئے التزام کے ساتھ ہر دوسرے دن روزہ رکھنا پڑتا ہے مگر اب میری قوت اس بوجھ کو برداشت نہیں کرتی۔ 2 تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پندرہ سال کی عمر میں ہی ایسے مضبوط قویٰ تھے کہ وہ سمجھتے تھے میں اگر سارا سال بھی روزے رکھتا چلا جاؤں تو رکھ سکتا ہوں۔ ایسی قوتیں رکھنے والا اگر آج بھی کوئی نوجوان موجود ہو اور وہ ابھی اٹھارہ سال کی عمر کو نہ پہنچا ہو تو اٹھارہ سال کی عمر سے پہلے ہی رمضان کے سارے روزے رکھ سکتا ہے۔ اور اس کا یہ کہنا کہ میں نے فتویٰ دیا ہوا ہے کہ اٹھارہ سال سے پہلے کوئی نوجوان سارے روزے نہ رکھے سخت نادانی اور حماقت ہو گی۔ اگر تو روزہ ایک چٹی ہو تو پھر تو اسے بے شک بہانوں سے ٹالا جا سکتا ہے لیکن اگر روزہ خدا تعالیٰ کا فضل، احسان اور انعام ہے تو پھر اس کو چھوڑنے میں اسی کا نقصان ہے جو روزہ رکھنے سے گریز کرتا ہے۔

پس یاد رکھو میرا فتویٰ گناہ کے متعلق ہے۔ یعنی ایسا انسان جو ابھی بلوغتِ تامہ کو نہیں پہنچا وہ محض کمزوری کی وجہ سے اگر روزہ چھوڑتا ہے تو وہ گناہ گار نہیں لیکن بلوغتِ تامہ کے بعد صرف کمزوری کے خوف سے اگر کوئی ایک روزہ بھی چھوڑتا ہے تو وہ گنہگار ہے۔ وہ صرف اس کمزوری کی وجہ سے روزہ چھوڑ سکتا ہے جس کا لازمی نتیجہ بیماری ہو ورنہ اگر کسی کے قویٰ اچھے ہوں اور روزوں سے اسے کوئی تکلیف نہ ہوتی ہو تو چاہے وہ اٹھارہ سال کی عمر کو نہ پہنچا ہو اُسے چاہیئے کہ وہ روزے رکھے۔

تھوڑے ہی دن ہوئے ایک عورت نے اپنے ایک عزیز کے متعلق جو گیارہ بارہ سال کا ہے مجھ سے پوچھا کہ وہ روزے رکھتا ہے اور منع کرنے سے باز نہیں آتا اور یوں اس کی صحت پر کوئی بُرا اثر نہیں تو کیا ہم اسے روزے رکھنے دیں؟ تو میں نے جواب دیا کہ جب صحت پر کوئی بھی

بُرا اثر نہیں تو روزے رکھنے دو۔ ہاں اگر کمزوری نظر آئے تو چھڑوا دینا۔ تو ایسے بچے اٹھارہ سال سے کم عمر میں بھی روزے رکھ سکتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی بچہ دوسروں کی نقالی میں روزے رکھتا ہے یا بچوں کے دکھاوے کے لئے روزے رکھتا ہے اور اس سے اس کی طاقتوں پر بُرا اثر پڑتا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ اسے روزے رکھنے سے روکیں کیونکہ ہمارا کام جہاں یہ ہے کہ ہم بچوں کو روزے رکھوائیں وہاں یہ بھی ہمارا ہی کام ہے کہ اگر ہمارا بچہ کمزور یا بیمار ہو تو اسے روزے نہ رکھنے دیں۔ بچوں میں عام طور پر یہ شوق ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے پوچھتے رہتے ہیں "تُوں کتنے روزے رکھے۔" اور وہ جواب دیتا ہے کہ دس۔ اس پر دوسرا پوچھتا ہے کہ "تُوں کتنے روزے رکھے" اور جب یہ جواب دیتا ہے کہ آٹھ تو شرمندہ ہو جاتا ہے اور دوسرے کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا ہے کہ میں نے زیادہ روزے رکھے۔ تو بچوں میں ایک قسم کی رقابت ہوتی ہے۔ اگر محض رقابت کی وجہ سے کوئی بچہ روزے رکھتا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ اسے روکیں کیونکہ اگر ہم اس عمر میں اسے روزے رکھنے سے نہیں روکیں گے تو بلوغت کے بعد جو اسے تیس یا چالیس یا پچاس سال عمر ملے گی اس میں وہ اپنی طاقت کی کمزوری کی وجہ سے روزے نہیں رکھ سکے گا اور اسی طرح دین کے دوسرے کاموں میں بھی عمدگی سے حصہ نہیں لے سکے گا۔ پس اس وجہ سے کہ وہ بعد کی عمر میں دین کی خدمت زیادہ عمدگی سے کر سکے اس عمر میں جو نشوونما کی عمر ہوتی ہے کمزور بچوں کو مسلسل روزے رکھنے سے روکنا ہمارا فرض ہے اور یہ امر دین کے خلاف نہیں بلکہ اسلام کے عین مطابق ہے۔

ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لئے تشریف لے گئے تو آپ نے اعلان فرمایا کہ آج روزہ داروں سے بے روزہ بڑھ گئے۔ درحقیقت اس سفر میں بعض صحابہؓ نے نفلی روزہ رکھا ہؤا تھا یا ابھی سفر میں روزہ رکھنے کی ممانعت کا حکم نازل نہیں ہؤا تھا۔ مجھے اس وقت صحیح یاد نہیں۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ جب منزل پر پہنچے اور افطاری کا وقت ہو گیا تو جو روزہ دار تھے وہ تو روزے کھول کر لیٹ گئے اور جو بے روزہ تھے انہوں نے خیمے لگائے، خندقیں کھودیں اور لشکر کے لئے لکڑی پانی وغیرہ کا انتظام کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا تو فرمایا کہ آج روزہ داروں سے بے روز بڑھ گئے۔ 3 یعنی جس کام کے لئے ہم نکلے تھے اس کا موقع ان کو ملا جو بے روز تھے ان

کو نہ ملا جو روزہ دار تھے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص میدان جہاد میں روزہ رکھ لیتا اور افطاری کے وقت پانی پی پی کر پیٹ بھر لیتا ہے اور کوئی کام کرنے کے قابل نہیں رہتا تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ روزہ رکھ کر اس نے نیکی کی بلکہ ہم کہیں گے کہ اس نے بدی کی کیونکہ ہر کام کا ایک موقع اور محل ہوتا ہے اور اگر ایک نیکی کسی دوسری نیکی میں روک بن جاتی ہے تو وہ نیکی یا تو بدی بن جاتی ہے یا ادنیٰ درجہ کی نیکی کہلاتی ہے۔ وہاں چونکہ ابھی لڑائی شروع نہیں ہوئی تھی اس لئے رسول کریم ﷺ نے صرف اتنا فرمایا کہ روزہ داروں سے بے روز بڑھ گئے لیکن فرض کرو اگر اس وقت جہاد ہو رہا ہوتا اور مسلمانوں کو جاتے ہی کفار سے لڑائی کرنی پڑتی اور روزہ دار بوجہ روزہ رکھنے کے لڑائی میں شامل نہ ہو سکتے تو ان کا روزہ ان کے لئے گناہ بن جاتا۔ تو موقع اور محل ہوتا ہے جس کے ماتحت کوئی نیکی بڑھ جاتی ہے اور کوئی کم ہو جاتی ہے۔ اسی لئے رسول کریم ﷺ سے جب کوئی پوچھتا کہ میں نیکی کا کون سا کام کروں تو آپ ہمیشہ اس کے مناسب حال نیکی کا کام بتایا کرتے تھے۔ مثلاً ایک نے پوچھا کہ سب سے بڑی نیکی کون سی ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا ماں کی خدمت۔ ایک اور نے پوچھا کہ سب سے بڑی نیکی کون سی ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا نماز کا اپنے وقت پر ادا کرنا۔ 4 پھر تیسرے نے پوچھا کہ سب سے بڑی نیکی کون سی ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا جہاد۔ 5 گویا کسی کو کچھ جواب دے دیا اور کسی کو کچھ۔ اب ایک نادان تو یہ سمجھے گا کہ رسول کریم ﷺ نے نَعُوْذُ بِاللہ غلط جواب دیا۔ کسی کو کوئی بڑی نیکی بتا دی اور کسی کو کوئی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ موقع اور محل دیکھ کر نیکی کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ وہ شخص جسے آپ نے یہ فرمایا کہ تیرے لئے سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ تو اپنی ماں کی خدمت کیا کر، ممکن ہے اس کی ماں بڑھیا ہو اور اس کی طبیعت ایسی ہو کہ بیوی بچوں کی طرف اسے زیادہ رغبت ہو اور ماں کی خدمت کو وہ کوئی زیادہ اہمیت نہ دیتا ہو۔ رسول کریم ﷺ نے اس کے اس نقص کو دیکھ کر یہ فرما دیا کہ تمہارے لئے سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ تم اپنی ماں کی خدمت کیا کرو۔ اس کے مقابلہ میں ایک اور شخص تھا جو اپنی ماں سے تو محبت رکھتا تھا۔ آجکل بھی بعض لوگ اپنی ماؤں کے لئے جانیں دے دیتے ہیں، لیکن وہ جہاد میں جانے سے ہچکچاتا تھا۔ رسول کریم ﷺ نے اسے فرما دیا کہ تمہارے لئے سب سے بڑی نیکی جہاد ہے۔ اسی طرح جو نماز

میں سست تھا اسے رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے یہ فرما دیا کہ تمہارے لئے سب سے بڑی نیکی نماز کا اپنے وقت پر ادا کرنا ہے۔ اسی طرح کسی کے لئے سب سے بڑی نیکی زکوٰۃ ادا کرنا ہو گی۔ کسی کے لئے سب سے بڑی نیکی چندہ دینا ہو گی اور کسی کے لئے سب سے بڑی نیکی حج کرنا ہو گی۔

آجکل کے امراء کے لئے حج میں سمجھتا ہوں سب سے بڑی نیکی ہے کیونکہ باوجود مال و دولت کے وہ کبھی حج کے لئے نہیں جاتے اور جو لوگ حج پر جاتے ہیں ان میں سے سو میں سے ننانوے ایسے ہوتے ہیں جن پر حج واجب نہیں ہوتا۔ میں جب حج کے لئے گیا تو ایک حاجی میرے پاس آیا اور اس نے مجھ سے کچھ مانگا۔ حضرت نانا جان صاحب مرحوم میرے ساتھ تھے۔ انہوں نے اسے کہا کہ اگر تمہارے پاس کچھ تھا نہیں تو تم حج کے لئے آئے کیوں؟ وہ کہنے لگا میرے پاس بہت روپے تھے مگر سب خرچ ہو گئے۔ حضرت نانا جان مرحوم نے پوچھا کہ کتنے روپے تھے۔ وہ کہنے لگے جب میں بمبئی پہنچا تھا تو میرے پاس پینتیس روپے تھے اور میں نے ضروری سمجھا کہ حج کر آؤں۔ تو وہ پینتیس روپوں کو ہی بہت سمجھتا تھا مگر مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو پینتیس ہزار بلکہ پینتیس پینتیس لاکھ روپے رکھتے ہیں اور پھر وہ حج کے لئے نہیں جاتے۔ ہندوستان میں چھ سو سے اوپر ریاستیں ہیں۔ ان میں پینتیس چھتیس کے قریب مسلمانوں کی ریاستیں ہیں اور یہ تمام ریاستیں پچیس تیس ہزار سے بارہ کروڑ روپیہ تک کی آمدن کی ہیں مگر ان ریاستوں کے مالکوں میں سے شاید کسی کو بھی حج نصیب نہیں ہوا۔ پھر مسلمانوں میں بڑے بڑے تعلقہ دار ہیں اور وہ بھی آٹھ دس ہزار سے لے کر چالیس پچاس لاکھ روپیہ تک کی سالانہ آمد رکھتے ہیں مگر ان میں سے شاید سو میں سے ایک یا ہزار میں سے ایک حاجی ہوتا ہو۔ لیکن غرباء میں بہت حاجی نظر آتے ہیں۔ ایک شخص ساری عمر تھوڑا تھوڑا روپیہ جمع کرتا رہتا ہے اور جب دو تین سو روپیہ اس کے پاس اکٹھا ہو جاتا ہے تو وہ تمام عمر کا اندوختہ لے کر حج کے لئے چل پڑتا ہے حالانکہ اسی روپیہ پر اس کے بیوی بچوں کی آئندہ زندگی کا مدار ہوتا ہے۔ وہ اگر اس روپیہ سے اچھے بیل خرید لے یا کچھ ایکڑ زمین لے لے تو اس کے بیوی بچوں کے لئے سہولت پیدا ہو سکتی ہے لیکن وہ اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کرتا اور روپیہ اٹھاتا اور حج کے لئے چل پڑتا ہے۔ تو امراء کے لئے سب سے بڑی نیکی حج ہے کیونکہ حج میں وہ سب سے زیادہ کوتاہی

کرتے ہیں۔ اسی طرح امراء میں یہ نقص بھی ہوتا ہے کہ وہ نمازیں نہیں پڑھتے۔ سارا دن شطرنج کھیلیں گے، ٹینس کھیلیں گے، بیڈ منٹن کھیلیں گے، برج وغیرہ انگریزی کھیلیں کھیلتے رہیں گے مگر نماز نہیں پڑھیں گے اور جب ان سے پوچھا جائے تو وہ کہہ دیں گے کہ کیا کریں فرصت ہی نہیں ملتی۔ پھر کچھ امراء اس وہم میں مبتلا رہتے ہیں کہ ہمارا کپڑا پاک نہیں۔ ایک دفعہ حیدر آباد کے ایک بڑے نواب صاحب جو نظام حیدر آباد کے رشتہ داروں میں سے ہیں مجھ سے ملنے آئے۔ میں نے ان کو جو نصیحتیں کیں ان میں سے ایک نصیحت یہ بھی تھی کہ آپ نمازیں پڑھا کریں۔ وہ کہنے لگے میں نماز تو پڑھتا ہوں ہاں سفر میں نماز رہ جاتی ہے کیونکہ سفر میں پوری صفائی نہیں ہوتی اور اس طرح نماز چھوڑ دینی پڑتی ہے۔ چنانچہ کہنے لگے دیکھئے سفر میں پوری صفائی کہاں ہو سکتی ہے ریل کے گدیلے پر بیٹھا جاتا ہے اور وہ کہاں صاف ہوتے ہیں۔ اسی طرح پاخانے صاف نہیں ہوتے اور نجاست کے چھینٹے کپڑوں پر آ پڑتے ہیں۔ اس وجہ سے نمازیں پڑھنی مشکل ہو جاتی ہیں۔ میں نے کہا آپ کا یہ خیال غلط ہے آپ کو نماز بہر حال پڑھنی چاہیئے۔ بے شک کپڑوں کی صفائی بھی ضروری ہے لیکن اگر صفائی کسی وجہ سے نہ ہو سکے تو انہی کپڑوں سے نماز پڑھ لیں اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اگر آپ کے پاس کپڑوں کا ایک ہی جوڑا ہو اور وہ پیشاب میں ڈوبا ہؤا ہو اور اتنا وقت نہ ہو کہ آپ صفائی کر سکیں تو انہی کپڑوں میں نماز پڑھ لینی چاہیئے۔ بے شک صفائی بھی ضروری چیز ہے لیکن جب تک صفائی کا وقت ہو اس وقت تک صفائی کریں اور جب نماز کا وقت آ جائے تو اس وقت نماز کے لئے کھڑے ہو جائیں خواہ کپڑوں سے کتنی ہی غلاظت لگی ہوئی ہو کیونکہ نماز تمام چیزوں سے مقدم ہے اور اسے کسی صورت بھی ترک کرنا جائز نہیں۔ غرض میں نے نماز پڑھنے کے متعلق بہت ہی زور دیا اور اس کا ان پر اتنا اثر ہؤا کہ انہوں نے اپنے نوکروں کو حکم دے دیا کہ صبح مجھے نماز کے لئے ضرور جگا دیا جائے اور اگر میں نہ اٹھوں تو بے شک مجھے چارپائی سے گرا دینا کیونکہ اس نصیحت کے بعد آج نماز نہ پڑھنا میں بہت بڑا گناہ سمجھتا ہوں۔ امراء عموماً جلدی سو جایا کرتے ہیں مگر اس روز وہ مجھ سے کافی دیر تک باتیں کرتے رہے اس لئے انہیں کافی رات گئے سونا پڑا۔ جب صبح کا وقت ہؤا تو نوکروں نے انہیں اٹھایا وہ بڑی مشکل سے اٹھ تو بیٹھے مگر پھر

لیٹ گئے۔ انہوں نے پھر اٹھایا تو وہ پھر لیٹ گئے۔ آخر پکڑ پکڑا کر وہ انہیں نماز کے لئے چھوٹی مسجد میں لائے۔ مسجد میں بیٹھ کر بھی وہ اونگھتے ہی رہے اور اونگھتے اونگھتے ہی انہوں نے نماز پڑھی۔ لطیفہ یہ ہوُا کہ جب نماز کے بعد وہ جانے لگے تو نیند کی حالت میں کسی کی پرانی سڑی ہوئی جوتی پہن کر چل پڑے۔ رستہ میں نوکر نے جو ان کو کسی کی پھٹی پرانی جوتی پہنے دیکھا تو کہا حضور آپ نے یہ کیا پہنا ہوُا ہے؟ اس آواز پر وہ کچھ بیدار ہوئے اور اپنے پاؤں کی طرف دیکھ کر حیران ہوگئے۔ آخر اپنے نوکر سے کہنے لگے کہ جلدی سے یہ جوتی وہاں جاکر رکھ آؤ کسی نے دیکھ لیا تو وہ یہ نہ کہے کہ مَیں مسجد سے جوتی چُرا لایا ہوں حالانکہ ان کا اپنا جوتا پچیس تیس روپے کا ہوگا اور وہ جوتی پھٹی پرانی تھی۔ کوئی کہہ ہی کس طرح سکتا تھا کہ انہوں نے پچیس تیس روپے جوتے کے بدلہ میں ایک پھٹی پُرانی جوتی چُرالی مگر انہوں نے نوکر سے کہا جلدی جانا ایسا نہ ہو کہ کوئی مجھے یہ کہہ دے کہ میں اس کی جوتی چُرا لایا ہوں۔ آخر نوکر مسجد میں آیا اور وہاں سے جوتا بدل کر لے گیا۔ تو بعض لوگ اس وہم کی وجہ سے نماز نہیں پڑھا کرتے کہ شاید ان کے کپڑے صاف نہیں۔ حالانکہ یہ کوئی معقول عذر نہیں۔ پھر امراء کا میں کیا کیا عیب گنواؤں ان کے لئے تو روزہ رکھنا بھی بڑی مشکل چیز ہے۔

کہتے ہیں کوئی امیر آدمی تھا اس نے ایک دن کسی مولوی کے وعظ سے متاثر ہو کر روزہ رکھ لیا مگر ابھی ظہر ہی ہوئی تھی کہ وہ بھوک کے مارے مرنے لگا۔ بھلا ایک دن میں جنہیں بیس بیس مرتبہ کھانے کی عادت ہو وہ کس طرح صبر کر سکتے ہیں۔ آخر تنگ آکر اس نے نوکر کو آواز دی اور کہا کہ دیکھو شام کی اذان ہوئی ہے یا نہیں۔ اس نے کہا حضور ابھی شام کہاں ابھی تو سورج نصف النہار پر کھڑا ہے۔ کہنے لگا پھر تو میری موت آگئی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے پھر نوکر کو آواز دی اور کہا دیکھنا مغرب کی اذان تو نہیں ہوئی۔ اس نے کہا ابھی تو مغرب میں بہت دیر ہے۔ کہنے لگا اچھا مُلّا کو بلاؤ۔ مُلّا آیا تو کہنے لگا روزہ کس وقت کھولا جاتا ہے۔ اس نے کہا شام کے وقت۔ وہ کہنے لگا پھر میرا کیا بنے گا میں تو اس وقت تک مر جاؤں گا۔ مُلّا نے کہا پھر میں کیا کر سکتا ہوں۔ اس نے کہا اچھا یہ بتاؤ اگر میں روزہ توڑ دوں تو میرے لئے کیا سزا ہے۔ اس نے کہا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا۔ وہ یہ سن کر بہت خوش ہوُا اور کہنے لگا اس مُلّا کو انعام دو

اور ساٹھ مسکینوں کے کھانے کا ابھی انتظام کر دو۔ میں روزہ توڑ دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے روزہ توڑ دیا اور کہنے لگا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اسلام بھی کیسا بابرکت مذہب ہے کہ اس نے انسان کو ہر قسم کی سہولتیں دے رکھی ہیں اور کسی موقع پر بھی کوئی تکلیف پیش نہیں آتی۔ اس نے اپنی طرف سے سمجھا کہ روزانہ گھر میں کئی کئی کھانے تو پہلے ہی پکتے ہیں آج اگر ساٹھ مسکینوں کو میں نے کھانا کھلا دیا تو کون سی بڑی بات ہو گی حالانکہ یہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی سزا اس کے لئے ہے جو جذباتِ نفسانی کے جوش کے ماتحت غلطی سے روزہ توڑ دیتا ہے۔ اس کے لئے نہیں جو دیدہ دانستہ روزہ توڑ لے اور ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا کر سمجھ لے کہ چھٹی ہو گئی۔ اب اس کا کوئی جرم نہیں رہا۔ جو شخص دیدہ دانستہ روزہ چھوڑتا ہے وہ خدا تعالیٰ کا مجرم ہے اور کوئی ظاہری سزا اس کا کفارہ نہیں ہو سکتی۔ تو امراء کے لئے میں کون کون سی چیز گناؤں۔ ان کے لئے تو ساری عبادتیں ہی بڑی نیکیاں ہیں مگر پھر بھی چونکہ دنیا میں مُخْتَلِفُ الْاَنْوَاع لوگ رہتے ہیں اس لئے کسی کے لئے حج بڑی نیکی ہے، کسی کے لئے زکوٰۃ بڑی نیکی ہے، کسی کے لئے روزہ بڑی نیکی ہے، کسی کے لئے نماز بڑی نیکی ہے۔ اس اصل کے ماتحت جو لوگ روزہ رکھنے میں سستی کرتے ہوں ان کے لئے روزہ رکھنا سب سے بڑی عبادت ہے۔ اگر وہ اپنے نفس میں یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان سے روزہ رکھنے میں سستی ہو جاتی ہے تو انہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ ان کے لئے بڑی عبادت روزہ ہے۔ اگر وہ روزے رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ کے قرب کو زیادہ جلدی حاصل کر لیں گے یہ نہیں کہ ان کے لئے دوسری عبادتیں معاف ہو جائیں گی۔ معاف تو کوئی عبادت بھی نہیں ہو سکتی البتہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے قرب کا حصول زیادہ تر روزوں پر ہی مبنی ہو گا اور اس نیکی کا انہیں اور نیکیوں کے مقابلہ میں زیادہ ثواب ملے گا۔ پس نیکیوں میں سے کسی ایک نیکی کا ترک کرنا بھی گناہ ہے لیکن نیکیوں میں سے اس نیکی کو اختیار کرنے میں زیادہ ثواب ہے جس کے بجالانے میں انسان سے سستی ہو جایا کرتی ہو۔ پس وہ لوگ جو روزہ رکھنا اپنے لئے ایک قسم کا بوجھ سمجھتے ہیں انہیں روزہ رکھنے کی طرف توجہ کرنی چاہیئے اور اس بہانہ سے اس حکم کو ٹالنا نہیں چاہیئے کہ روزہ رکھنے سے انہیں کمزوری ہو جاتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ میں نے پہلے کہا اور جو کچھ میں آج بھی کہتا ہوں وہ صرف

یہ ہے کہ 18 سال سے پہلے صرف کمزوری کی بناء پر کبھی کبھی روزہ رکھنا جائز ہے مگر کمزوری سے میرا مراد معمولی ضُعف نہیں جو عام طور پر روزوں کے نتیجہ میں پیدا ہؤا ہی کرتا ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کو ایسا محسوس ہو کہ وہ روزہ برداشت نہیں کر سکے گا۔ پس جب تک بلوغت تامہ نہ ہو اس وقت تک محض اس وجہ سے کسی نہ کسی دن روزہ چھوڑ دینا جائز ہے اور وہ لوگ جو پابندی کے ساتھ اپنے بچوں سے جو ابھی بلوغتِ تامہ کو نہیں پہنچے رمضان کے تمام روزے رکھواتے ہیں ان کے متعلق میں آج بھی اس یقین پر قائم ہوں کہ وہ گنہگار ہیں کیونکہ آج تو وہ دباؤ ڈال کر اپنے بچوں سے روزے رکھوالیں گے مگر اس کے نتیجہ میں وہ ایسے کمزور ہو جائیں گے کہ بقیہ ساری عمر روزے رکھنے سے محروم رہیں گے۔ پس کمزور بچوں کو محض کمزوری کی وجہ سے روزوں میں ناغے کر لینے جائز ہیں لیکن بلوغت کے بعد محض کمزوری کی بناء پر روزوں میں ایک ناغہ کرنا بھی جائز نہیں۔ اس وقت صرف ایسی ہی کمزوری کی وجہ سے روزہ چھوڑا جا سکتا ہے جس کے متعلق ڈاکٹر کی یہ رائے ہو کہ اگر اس حالت میں روزہ رکھا گیا تو یہ بیمار ہو جائے گا۔ مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میں نے خود کئی لوگوں کو دیکھا ہے جو روزہ نہیں رکھتے اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیوں نہیں رکھا تو جواب دیتے ہیں کہ روزہ رکھنے سے ہمیں بڑا ضعف ہو جاتا ہے حالانکہ روزہ تو شریعت نے مقرر ہی اس لئے کیا ہے کہ انسان کچھ کمزور ہو۔ اس لئے تو مقرر نہیں کیا کہ روزہ رکھنے والا پہلے سے زیادہ موٹا ہو جائے۔ مگر ہمارے ملک کے مسلمان امراء کی یہ حالت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے ان کے روزے ان کے لئے خوید کا کام دیتے ہیں یعنی جس طرح گھوڑے کو خوید دی جائے تو وہ موٹا ہو جاتا ہے اسی طرح رمضان کے ایام میں انہیں دن رات کھانے کا فکر رہتا ہے۔ شام ہوتی ہے تو سحری کے لئے تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں اور صبح ہوتی ہے تو انہیں افطاری کا فکر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ نوکروں میں سے کوئی تو پکوڑے تَل رہا ہوتا ہے، کوئی سویاں پکا رہا ہوتا ہے، کوئی بادام اور پستہ تیار کر رہا ہوتا ہے، کوئی فرنی بنا رہا ہوتا ہے، کوئی یخنی بنانے میں مشغول ہوتا ہے اور کوئی یاقوتی تیار کرنے میں مصروف ہوتا ہے۔ غرض سارا دن گھر میں ایک آفت بپا رہتی ہے اور جب خدا خدا کر کے روزہ افطار ہوتا ہے تو اسی وقت سے سحری کا فکر ہو جاتا ہے اور

وہ نوکروں کو ہدایات دینی شروع کر دیتے ہیں کہ صبح مرغا تیار ہو، ساتھ پراٹھے پکائے جائیں اور مکھن وغیرہ کا بھی انتظام ہو۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ روزے رکھانے سے شریعت کی تو یہ غرض ہوتی ہے کہ انسان کچھ ریاضت کا عادی ہو جائے اور غرباء کی حالت کا اسے علم حاصل ہو جائے مگر وہ ان روزوں کے بعد پہلے سے دوگنے موٹے ہو جاتے ہیں۔ پس روزوں کی یہ غرض نہیں بلکہ روزوں کی غرض یہ ہے کہ انسان کے اندر بھوک اور پیاس کی تکلیف کو برداشت کرنے کا مادہ پیدا ہو اور امراء کو اپنے غریب بھائیوں کی امداد کا احساس ہو۔ جو شخص کبھی بھوکا نہ رہے اسے غرباء کی امداد کا کہاں خیال آسکتا ہے لیکن جو شخص خود روزہ رکھے گا اور بھوک کی تکلیف کو محسوس کرے گا اسے غریب بندوں کی تکلیف کا بھی احساس ہو گا۔

پس امراء پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہے۔ وہ شریعت کے ان احکام کو اُس قدر و منزلت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے جس قدر و منزلت کی نگاہ کے ساتھ انہیں ان احکام کو دیکھنا چاہیئے بلکہ بعض امراء تو دین کی حقیقت سے اتنے ناواقف ہوتے ہیں کہ وہ افطاری اور سحری تو ضروری سمجھتے ہیں مگر روزہ رکھنا ضروری نہیں سمجھتے۔ تو یہ چیز ایسی ہے جس سے بچنا چاہیئے۔ مگر ایسے کمزور بچوں کو جن کی طاقتوں اور قوتوں نے ابھی پورے طور پر نشوونما حاصل نہ کیا ہو روزوں میں وقفہ دے دینا شریعت کے خلاف نہیں بلکہ اگر کوئی اس پر اعتراض کرتا ہے تو وہ میرے نزدیک کٹھ حجت مُلّا ہے کیونکہ وہ چند روزوں کی خاطر اس کی تمام عمر برباد کرتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں وہ نوجوان جس میں کافی طاقت پائی جاتی ہے اور پھر بھی وہ روزہ نہیں رکھتا محض اس وجہ سے کہ اس کی عمر ابھی اٹھارہ سال کی نہیں ہوئی وہ بھی بے دین ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے اسے جو سہولت دی تھی اس سے وہ ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔ پس یہ دونوں ہی غلط راستہ پر ہیں۔ وہ جو کسی کمزور بچے سے زبردستی روزے رکھواتا ہے اور اس سے یہ امید کرتا ہے کہ وہ ایک روزہ کا بھی ناغہ نہ کرے وہ بھی ظالم اور کٹھ حجّت مُلّا ہے اور وہ جو طاقت کے باوجود محض اس بہانہ کی آڑ میں روزہ نہیں رکھتا کہ ابھی اس کی عمر کم ہے وہ بھی دین سے تمسخر کرتا اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی بجائے اس کی دشمنی مول لیتا ہے۔

ہاں یہ یاد رکھو کہ روزوں میں عادت کا بھی بہت کچھ دخل ہوتا ہے۔ بیشک 18 سال

سے قبل ہم ہر بچہ سے توقع نہیں رکھ سکتے کہ وہ تمام روزے رکھے گا مگر ماں باپ کا یہ فرض ضرور ہے کہ وہ اس عمر میں انہیں روزے رکھنے کی عادت ڈالیں کیونکہ اگر ان رخصت کے ایام میں انہیں روزے رکھنے کی عادت نہیں ہو گی تو انیسویں سال وہ کبھی سارے رمضان کے روزے نہیں رکھ سکیں گے۔ انیسویں سال وہی شخص رمضان کے تمام روزے رکھ سکتا ہے جس نے گیارہ بارہ سال سے روزے رکھنے کی مشق شروع کر دی ہو اور اٹھارویں سال تک قریباً تمام روزے رکھنے کا عادی ہو گیا ہو ورنہ اگر وہ اس رخصت سے ناجائز فائدہ اٹھائے گا تو شاید ساری عمر ہی بہانے بناتا رہے گا اور کبھی بھی سارے روزے نہیں رکھ سکے گا۔

میرا اپنا تجربہ یہ ہے کہ قادیان میں ایسے کئی نوجوان موجود ہیں جو معمولی معمولی بہانوں کی آڑ میں روزہ چھوڑ دیتے ہیں مثلاً کوئی کہہ دیتا ہے کہ روزہ رکھنے سے مجھے پیچش ہو جاتی ہے، کوئی کہتا ہے مجھے کمزوری اور ضُعف ہو جاتا ہے اور یہ صرف بہانہ ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی رخصت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اچھے تندرست لوگوں کو مستثنیٰ کرتے ہوئے باقی سب لوگوں کو ابتدائی روزوں میں کوئی نہ کوئی تکلیف ضرور ہو جاتی ہے۔ خود میری یہ حالت ہے کہ شروع سے ایک دو روزوں میں مجھے شام کے وقت سر درد کا دورہ ہو جایا کرتا ہے۔ میرے معدے میں ترشی زیادہ ہے اور فاقہ کی وجہ سے اس ترشی کا زور دماغ کی طرف ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے سر درد شروع ہو جاتا ہے مگر ایک دو دن کے بعد وہ ترشی ماری جاتی ہے اور پھر سر درد نہیں ہوتا۔ اب اگر اس قسم کے سر درد کو میں بیماری قرار دے دوں تو شاید ایک دو روزوں کے سوا کبھی کوئی روزہ نہ رکھ سکوں۔ تو اس قسم کے بہانوں کی وجہ سے روزہ چھوڑنا جائز نہیں۔ مگر بلاوجہ سختی کر کے یونہی خیال کر کے کہ فلاں بارہ یا تیرہ سال کی عمر میں ہی بالغ ہو گیا ہے اس سے تمام روزے رکھوانا بھی جائز نہیں۔ بلکہ بارہ تیرہ سال کی بھی شرط نہیں مَیں تو یہ بھی مان سکتا ہوں کہ کوئی شخص آٹھ سال کی عمر میں ہی بالغ ہو جائے مگر یہ کوئی قانون نہیں ہو گا۔ طبی طور پر جو ایک مسلمہ قانون ہے وہ یہی ہے کہ 18 سال کی عمر بلوغت تامہ کا زمانہ ہے۔ بعض کی بلوغت تامہ بائیس سال کی عمر میں بھی ہوتی ہے مگر ایسے لوگ بہت قلیل ہوتے ہیں۔ زیادہ تر جن بچوں نے اپنا قد نکالنا ہوتا ہے وہ اٹھارہ سال تک

نکال لیتے ہیں اور ان کی قوتیں بھی نشوونما حاصل کر لیتی ہیں۔ بعد میں بھی گو ایک خاص عمر تک ان قوتوں میں نشوونما ہوتا رہتا ہے مگر وہ بہت کم ہوتا ہے۔ اس نشوونما کے زمانہ میں بچے پر یہ زور دینا کہ وہ ضرور تیس روزے رکھے اس کی صحت کو خراب کرنا اور اسے آئندہ کے لئے کام کے ناقابل بنانا ہے۔ مگر جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں اس عمر کو ضائع نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ اگر اس کو ضائع کر دیا گیا تو اس کا بھی بچے کو نقصان پہنچے گا بلکہ جیسے مدرسہ کی پڑھائی میں تدریجاً اضافہ کیا جاتا ہے اسی طرح ماں باپ کا فرض ہے کہ وہ اس زمانہ میں اپنے بچوں کو ہر سال کچھ نہ کچھ روزے رکھواتے چلے جائیں۔ کچھ روزے بارہ سال کی عمر میں رکھوائیں۔ پھر کچھ روزے بڑھا کر تیرہ سال کی عمر میں رکھوائیں۔ اسی طرح چودھویں، پندرھویں، سولہویں اور سترھویں سال اس کے روزوں میں اضافہ کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ اٹھارویں سال اگر وہ طاقتور ہے تو اسے تمام روزے رکھوائے جائیں اور اگر کمزور ہے تو دو چار چُھڑا دیئے جائیں تا کہ جب وہ اپنی عمر کے انیسویں سال میں داخل ہو تو ایک روزہ بھی نہ چھوڑے۔ اگر اس طرح اسے پہلے سے روزوں کی عادت نہیں ہو گی تو انیسویں سال وہ کبھی سارے روزے نہیں رکھ سکے گا بلکہ کچھ روزے رکھے گا اور کچھ چھوڑ دے گا۔ اسی طرح بیسویں سال کچھ روزے رکھے گا اور کچھ چھوڑ دے گا اور کئی سال کے بعد وہ اس حالت پر آئے گا کہ رمضان کے تمام روزے رکھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس عرصہ میں اس کے دل پر زنگ لگ جائے اور جو روزے وہ چھوڑ دے انہیں دوبارہ نہ رکھے۔ تم غور کر کے دیکھ لو اپنے دوستوں اور ہمسائیوں پر بھی نظر دوڑا کر معلوم کر لو کہ کتنے لوگ ایسے ہیں جن سے اگر کوئی روزہ رہ جاتا ہے تو وہ بعد میں رکھ لیتے ہیں۔ نماز کے متعلق تو ہمیں یہ دکھائی دیتا ہے کہ جب کسی سے کوئی نماز رہ جاتی ہے تو وہ دوسری نماز کے وقت اسے ادا کر لیتا ہے لیکن رمضان کے روزوں کے متعلق ہمیں یہ تعہّد نظر نہیں آتا۔ جو لوگ تقویٰ شعار ہوتے ہیں وہ تو بعد میں روزے رکھ لیتے ہیں مگر عام طور پر اس کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی یا زیادہ سے زیادہ لوگ یہ کر لیتے ہیں کہ شوّال میں ان سے جتنے روزے رکھے جا سکتے ہیں رکھ لیتے ہیں اور باقی روزے چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ نتیجہ اسی بات کا ہے کہ نوجوانوں کو آغاز جوانی سے روزے رکھنے کی عادت نہیں ڈالی جاتی اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رخصتوں سے

ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

پس میں اس خطبہ کے ذریعہ جماعت کے تمام دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو سہولتیں رکھی ہوئی ہیں ان کا ادب کرو، اس کی رخصتوں کا احترام کرو اور ان سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرو۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ ہر بادشاہ کی ایک رکھ ہوتی ہے جس میں کسی کو اپنے جانور چرانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اسی طرح خدا کی بھی ایک رکھ ہے اور اللہ تعالیٰ کی رکھ اس کے محارم ہیں۔ جو شخص ان محارم کے قریب اپنے نفس کو چراتا ہے وہ ایک نہ ایک دن خدا تعالیٰ کی رکھ میں گھس جائے گا اور اس کی ناراضگی اور غضب کا مورد بن جائے گا۔ 6 پس تم اللہ تعالیٰ کی رخصتوں سے ناجائز فائدہ مت اٹھاؤ کیونکہ خدا تعالیٰ نے ان رخصتوں کو تقویٰ کی ترقی کا ذریعہ بنایا ہے نہ کہ تقویٰ کی تباہی کا۔"

(الفضل 6 نومبر 1940ء)

---

1 بخاری کتاب التہجد باب الدعا و الصلوٰۃ من اٰخر اللیل (الخ)

2 بخاری کتاب الصوم باب حق الجسم فی الصوم

3 بخاری کتاب الجہاد و السیر باب فضل الخدمۃ فی الغزو

4 بخاری کتاب التوحید باب و سمی النبی ﷺ الصلوٰۃ عملاً

5 سنن النسائی کتاب الایمان باب ذکر افضل الاعمال

6 بخاری کتاب الایمان باب فضل من استبرأ لدینہ